966

966

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

قال اللہ تعالیٰ

"انما یتقبل اللہ من المتقین"

(اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کی (نیکیاں) قبول فرماتا ہے)

مخلصین کی قربانی

قرآن و سنت کی روشنی میں

مؤلفہ

حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری

(صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مہتمم دار العلوم حنفیہ عربی کالج سرینگر)

قیمت چار روپیہ

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد

قال اللّٰہ تعالیٰ

"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝"

"اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کی نیکیاں کو قبول فرماتا ہے۔"

مخلصین کی قربانی

قرآن و سنت کی روشنی میں

مؤلفہ

حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری

صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مہتمم دار العلوم حنفیہ عربی کالج سرینگر

ھدیہ ۴ روپیہ صرف

Rs 4/=

نام کتاب .... مخلصین کی قربانی

نام مصنف .... مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری

تعداد صفحات .... ۶۴+۴ (۲۰×۳۰)

ـــ ٥ ـــ

سالِ اشاعت .... ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ

مطبوعہ ...... نیو کشمیر پریس سرینگر

کتابت : ع، ح، جاوید

شائع کردہ : مکتبہ اسلامیہ حنفیہ عیدگاہ سرینگر

قیمت : چار روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد

پیش لفظ

فرزندان توحید اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ قربانی کرنا خاص کر یوم النحر اور ایام تشریق میں حق شناسی، حق طلبی اور ثواب عظیم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے گوشت خوری، خون بہانا، گئو بدوری اور رشتہ داروں کی عزت و تکریم مقصود نہیں۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیت بلند پایہ سے ثابت ہوتا ہے:

"انما یتقبل اللّٰہ من المتقین۔" (مائدہ)

کہ اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں اور اس سے ڈرنے والوں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔" اسی طرح سورۂ حج میں فرماتا ہے: " لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماؤھا ولٰکن ینالہ التقوی منکم۔" کہ اللہ جل شانہ تمہاری

قربانیوں کے گوشت و خون کی طرف محتاج نہیں ہے بلکہ وہ
تمہارے تقویٰ و پرہیزگاری کا خواہاں اور طالب ہے:

ان دو مقدس آیتوں سے

صاف اور عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی مسلمان کی قربانی
قبول فرما لیتا ہے جو محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرے
یہی حال ہے دوسرے اعمالِ صالحہ کا بھی کہ وہ بارگاہِ
الٰہی میں اسی وقت شرفِ قبولیت پاتے ہیں جو فخر و
ریا، حسد و بغض اور فخر و غرور سے صاف و پاک ہوں
اور صرف خالصتاً لوجہ اللہ کئے جائیں۔

مگر افسوس ہے!

کہ جس طرح ہمارے دینی اعمال میں ہم نے ملاوٹ کی
اسی طرح قربانی کا حقیقی تقدس اور اس کی روح و
جوہر کو بھی پائمال کیا ہے، جس سے ہم بہت بڑے ثواب
سے محروم ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم قربانی کی اس
سنت کو بجذبۂ اخلاص اور خالصتاً لوجہ اللہ شرعی احکام
کے تحت انجام دیں، اور غلط رسموں اور ناکارہ بدعتوں سے
اسے دور رکھیں۔ تاکہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہونے کے قابل
ہو جائے۔

اس لئے کمترین نے یہ مختصر رسالہ لکھا ہے جس کا نام:

"مُخلصین کی قُربانی"

ہے۔

اور اس میں مندرجہ ذیل واقعات اور مباحث قرآن و سُنت اور فقہیہ حنفی کی روشنی میں لکھے ہیں:

- ۱۔ ہابیل و قابیل کے قربانی کا واقعہ۔
- ۲۔ حضرت خلیل الرحمان علی نبینا و علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا اپنے فرزند دلبند کی قربانی کا مفصل ذکر۔
- ۳۔ قربانی کا اجر و ثواب۔
- ۴۔ عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت۔
- ۵۔ قربانی کے اہم مسائل۔
- ۶۔ قربانی کی بدعات اور ان رسموں کی انجام دہی جس سے قربانی بارگاہِ الٰہی سے رد کیجاتی ہے
- ۷۔ نمازِ عید کے احکام و مسائل اور دیگر ذیلی مباحث بھی اس مختصر رسالہ میں عوام مسلمین کے لئے قلمبند کئے۔

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے مطالعہ اور ان مضامین پر عمل کرنے سے ہمیں ہر قسم کی خیر و برکت عطا کرے ــــ "آمین یا ربّ العالمین" وصلی اللہ سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین"

کمترین مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری
عیدگاہ گندرپورہ سرینگر

(ذی القعدہ ۱۴۰۸ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہابیل و قابیل کی قربانی کا واقعہ

اب آپ سورۂ مائدہ کی ان آیات کو پڑھئے جن میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا عبرت انگیز حال سنائیے۔

آیاتِ مقدسہ یہ ہیں :-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ
إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ
إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ○ لَئِنْ
بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ
يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ
اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ○ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ
تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ
فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ
غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى
اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ
مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ ـــ ......" (س، مائدہ)

اِن آیاتِ مبارکہ کا لفظی ترجمہ:-

(اے نبی! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ سنائیے کہ جب اُن دو بیٹوں نے قربانی (نیاز) کی، تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہ کی گئی۔ جس کی قربانی قبول نہ کی گئی اس نے کہا، اُس سے کہ

میں تم کو ضرور قتل کروں گا" تو اُس نے جواباً کہا: اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے، اگر تو میری طرف میرے مارنے کے لئے دست درازی کرے گا تو میں تمہاری طرف دست درازی نہیں کروں گا۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ حاصل کرے اور اپنے گناہ، پھر تو دوزخیوں میں سے بن جائے۔ یہی سزا ظالموں کی ہے۔ پھر اس کو اپنے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا، چنانچہ اُس نے اس کو جان سے مار ڈالا — یہاں تک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا — پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدتا تھا تاکہ اُس کو دکھلائے کہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے (یہ دیکھ کر) اُس نے کہا اے افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اُس کوے کی طرح ہو جاؤں کہ میں اپنے بھائی کی لاش زمین میں چھپاؤں، آخرکار وہ پچھتانے لگا۔"

اب آپ سورۂ مائدہ کی ان آیاتِ مبارکہ کی تفسیر کا خلاصہ مفسرین کرام کی تحریرات کے مطابق ملاحظہ فرمادیں۔

قصہ ہابیل و قابیل

ان آیات مقدسہ میں حق تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہدایت فرمائی ہے کہ آپؐ اہلِ کتاب کو یا پوری اُمت کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا قصہ صحیح صحیح سنا دیجئے۔

قرآن مجید پر نظر کرنے والے جانتے ہیں کہ قرآن کریم کوئی قصہ کہانی یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے جس کا مقصد کسی واقعہ کو اوّل سے آخر تک بیان کرنا ہو، لیکن واقعاتِ ماضیہ اور گذشتہ ایام کی سرگذشت اپنے دامن میں بہت عبرتیں اور نصیحتیں رکھتی ہے، وہی تاریخ کی اصل روح ہے اور ان میں بہت سے حالات واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں، جن پر مختلف احکام شرعیہ

کی بنیاد ہوتی ہے۔ انہی فوائد کے پیشِ نظر قرآن کریم کا اسلوب ہر جگہ یہ ہے کہ موقع بہ موقع کوئی واقعہ بیان کرتا ہے اور اکثر پورا واقعہ کبھی ایک جگہ بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے جتنے حصّے سے اس جگہ کوئی مقصد متعلق ہوتا ہے اس کا وہی ٹکڑا یہاں بیان کر دیا جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا یہ قصّہ بھی اسی اسلوبِ حکیم پر نقل کیا جا رہا ہے، اس میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے بہت سی عبرتیں اور مواعظ ہیں، اور اس کے ضمن میں بہت سی احکامِ شرعیّہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اب پہلے الفاظِ قرآن کریم کی تشریح اور اس کے تحت میں اصل قصّہ دیکھیئے: اس کے بعد اس کے متعلقہ احکام و مسائل کا بیان ہوگا۔

اس سے پہلی آیات میں بنی اسرائیل کو حکمِ جہاد اور اس میں اُن کی کم ہمتی اور بزدلی کا ذکر تھا۔ اس قصّہ میں اس کے بالمقابل قتلِ ناحق کی بُرائی اور اس کی تباہ کاری کا بیان کرکے قوم کو اس اعتدال پر

لازم مقصود ہے کہ جس طرح حق کی حمایت اور باطل کو مٹانے میں قتل و قتال سے دم چرانا غلطی ہے اسی طرح ناحق قتل و قتال پر اقدام دین و دُنیا کی تباہی ہے۔

پہلی آیت میں "ابْنَیْ آدَمَ" کا لفظ مذکور ہے۔ یوں تو ہر انسان آدمی اور آدم کی اولاد ہے، ہر ایک کو ابنِ آدم کہا جاسکتا ہے۔ لیکن جمہور علماء تفسیر کے نزدیک اس جگہ اِبْنَیْ آدَمَ سے حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی اور حقیقی بیٹے مراد ہیں یعنی ہابیل اور قابیل۔ ان دونوں کا قصہ بیان کرنے کے لئے ارشاد ہوا:

تاریخی روایات کی نقل میں احتیاط اور سچائی واجب ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ" یعنی ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے۔ اس میں "بِالْحَقِّ" کے لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے، جس میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ کوئی تلبیس اور دھوکہ

اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی۔

(ابن کثیر)

قرآن کریم نے صرف اسی جگہ نہیں بلکہ دوسرے مواقع میں بھی اس اصول پر قائم رہنے کی ہدایت دی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

"إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ" (آل عمران)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ"

تیسری جگہ ارشادِ باری ہے:

"ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ"

—۵—

ان تمام مواقع میں تاریخی واقعات کے ساتھ لفظ "حق" لاکر اس بات کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نقلِ واقعات میں حق و صدق کی رعایت لازمی ہے۔ روایات و حکایات کی بناء پر جس قدر مفاسد دنیا میں ہوتے ہیں ان سب کی بنیاد عام طور پر نقلِ واقعات میں بے احتیاطی ہوتی ہے، ذرا سا لفظ اور عنوان بدل دینے سے واقعہ کی

حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔ پچھلی اقوام کے مذاہب و شرائع اسی بے احتیاطی کی راہ سے ضائع ہو گئے، اور ان کی مذہبی کتابیں چند بے سند و بے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئیں۔ اس جگہ ایک لفظ "بالحق" کا اضافہ کر کے اس اہم مقصد کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔

اس کے علاوہ اسی لفظ میں قرآن کریم کے مخاطبین کو اس طرف بھی رہنمائی کرنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو "اُمّی محض ہیں" اور ہزاروں سال پہلے کے واقعات بالکل سچے اور صحیح بیان فرما رہے ہیں تو اس کا سبب بجز وحی الٰہی اور نبوت کے کیا ہو سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں بیٹوں کا واقعہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا:

"اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ۔" یعنی ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی اپنی قربانی پیش کی، مگر ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔

لفظ "قربان" عربی لغت کے اعتبار سے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے اور اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔

اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ جو صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہے۔ اور حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو علمائے سلف و خلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے، یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام دنیا میں آئے اور توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے توام پیدا ہوئے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی۔ اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا تو اللہ جل شانہ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو تو وہ آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں۔ اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے۔ لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل

سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہ ہو گی، بلکہ ان کے درمیان رشتۂ ازدواج و مناکحت جائز ہو گا۔

لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین و جمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بد شکل تھی۔ جب نکاح کا وقت آیا تو حسبِ ضابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بد شکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی اس پر قابیل ناراض ہو کر ہابیل کا دشمن ہو گیا اور اس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہابیل و قابیل کے درمیان رفع اختلاف کے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو، جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اسی کو دی جائے گی۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہو گی جس کا حق ہے، یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی

کو کھا جاتی تھی، اور جس قربانی کو آگ نہ کھاتی تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی۔ قابیل کاشتکار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ گندم وغیرہ قربانی کے لئے پیش کیا۔ اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کی قربانی کو کھا گئی اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی۔ اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم و غصّہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا:

لَأَقْتُلَنَّكَ "یعنی میں تجھے قتل کر ڈالوں گا"

ہابیل نے اس وقت بھی غصّہ کی بات کا جواب غصّہ کے ساتھ دینے کے بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی جس میں اس کی ہمدردی و خیر خواہی بھی تھی کہ:

"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ" یعنی "اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ متقی پرہیزگار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔" اگر تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہاری قربانی قبول نہ ہوئی

اس نے تیرا کیا قصور ہے؟

اس کلام میں حاسد کے حال کی طرف بھی اشارہ ہے
کہ حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی
نعمت عطا فرمائی ہے جو اس کو حاصل نہیں تو اس کو چاہئے
کہ اپنی محرومی کو اپنے عمل کی کوتاہی اور گناہوں کا سبب
سمجھ کر ان سے تائب ہونے کی فکر کرے نہ یہ کہ
وہ اس نعمت کے زوال کی فکر میں پڑ جائے، جو کہ
کے فائدے کے بجائے ضرر کا سبب ہے۔ کیونکہ قبولیت عند اللہ
تقویٰ پر ہے (مظہری)

قبولیتِ عمل کا دارومدار اخلاص و تقویٰ پر ہے

یہاں ہابیل و قابیل کی باہمی گفتگو میں ایک ایسا جملہ
جو ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے، کہ اعمال و عبادات
کی قبولیت تقویٰ اور خوفِ خدا پر موقوف ہے۔ جس میں
تقویٰ نہیں اس کا عمل مقبول نہیں۔ اسی وجہ سے علماء
نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عبادت گزاروں اور عمل کرنے والوں
کے لئے بڑا تازیانہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عامر بن عبداللہ
اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو

اعمال صالحہ اور عبادات میں مشغول رہنے پھر ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟" فرمایا: "تم یہ کہتے ہو، اور میرے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گونج رہا ہے:

"إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ"۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ میری کوئی عبادت قبول بھی ہوگی یا نہیں!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا تو یہ وہ نعمت ہے کہ ساری زمین سونا بنکر اپنے قبضہ میں آجائے تو بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہ سمجھوں۔

اسی طرح حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ اگر یہ بات یقینی طور پر طے ہو جائے کہ میری ایک نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہو گئی تو میرے لئے وہ ساری دنیا اور اس کی نعمتوں سے زیادہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو خط میں یہ نصائح لکھیں کہ:

"میں تمہیں تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور اہلِ تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا، اور اس کے بغیر کسی چیز پر

ثواب نہیں ملتا۔ اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت
ہیں، مگر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔"

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ
تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے اور
جو عمل مقبول ہو جائے، اسے چھوٹا کیسے کہا جا سکتا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر)

اس سلسلہ میں مزید عبرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

"مقاتل بن سلیمان نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل
کیا ہے کہ قابیل نے جب ہابیل کو قتل کیا تو اس زمانے میں حضرت آدم علیہ السلام مکہ میں تھے
قتل ہونے کے بعد درخت خاردار ہو گئے، کھانے سڑنے لگے، پھلوں میں ترشی
پیدا ہو گئی۔ پانی شور ہو گیا اور زمین غبار آلود بن گئی (یعنی ہابیل کی شہادت
سے پہلے ایسی کوئی بات نہ تھی، نہ درختوں میں کانٹے ہوتے تھے، نہ کھانا سڑتا
تھا، نہ پھلوں میں ترشی اور پانی میں نمکینی تھی، نہ زمین پر غبار ہوتا تھا۔)
حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: زمین پر کوئی نیا واقعہ ضرور ہوا ہے۔ چنانچہ آپ ہندوستان
آئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا ہے۔ آپ نے فوراً یہ شعر
پڑھے: سب سے پہلے آپ نے ہی شعر کہے ہیں۔ (ترجمہ):-

"بستیاں اور ان کے بسنے والے بدل گئے۔ روئے زمین غبار آلود اور بدنما ہو گیا۔ ہر
مزیدار چیز کا مزہ اور رنگ دار چیز کا رنگ بگڑ گیا۔ خوبصورت چہرے کی شگفتگی معدوم ہو گئی۔"

میمون بن مہران ؒ کی روایت میں حضرت ابن عباس ؓ سے یوں آیا ہے۔
حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: جو شخص کہتا ہے کہ حضرت آدم ؑ نے شعر کہا وہ جھوٹا
ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ؐ پر دروغ بندی کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اور تمام انبیاء ؑ شعر (نہ کہنے) میں برابر ہیں۔ ہاں جب قابیل
نے ہابیل کو قتل کر دیا تو حضرت آدم ؑ نے کچھ دردناک کلام کیا جو سریانی
زبان میں تھا اور حضرت شیث ؑ نے فرمایا: بیٹے تو میرا وصی ہے
اس کلام کو یاد کر لے تاکہ آئندہ لوگوں میں یہ منتقل ہوتا رہے اور
لوگ اس کو سن کر ہابیل پر رقت کا اظہار کرتے رہیں۔ چنانچہ آپ کا
وہ دردناک کلام برابر منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ یعرب بن
قحطان کو پہنچا۔ یعرب عربی بھی بولتا تھا اور سریانی بھی اور
شعر بھی کہتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے تحریر عربی ایجاد کی۔
یعرب نے حضرت آدم ؑ کے کلام کو (ترجمہ میں) کچھ پیچھے آگے
کر کے موزوں کر دیا۔ مذکورہ بالا اشعار میں کچھ شعر اور بھی ہیں
جن میں سے دو شعر مندرجہ ذیل ہیں:

"(ترجمہ) کیا وجہ ہے کہ میں آنسو بہانے میں بخل سے کام لوں حالانکہ
ہابیل کو قبر نے اپنے اندر سما لیا: میں پوری زندگی اپنے اوپر غم دیکھتا
رہوں گا۔ کیا قسمت میں اپنی زندگی سے راحت پا سکتا۔"

ہابیل کی شہادت کے پانچ سال بعد جب حضرت آدم ؑ کی عمر

ایک سو تیس (۱۳۰) برس کی ہو گئی تو حضرت حواؑ کے بطن سے حضرت شیثؑ پیدا ہوئے
جن کا نام ہبۃ اللہ تھا، یعنی آپ ہابیل کے قائم مقام تھے۔ اللہ نے
آپ کو رات دن کی ساعتوں کا علم دیا اور ہر ساعت کی ایک عبادت کی
تعلیم دی تھی اور آپ پر پچاس صحیفے نازل فرمائے اور آپ حضرت آدمؑ
کے وصی اور جانشین قرار پائے۔ قابیل کا قصہ یہ ہوا کہ اسے
کہہ دیا گیا: جا مردود! تو مارا مارا پھر، تجھے امن نصیب نہ ہو، تو جس کو
دیکھے اسی کی طرف سے خوف زدہ رہے۔ قابیل اپنی بہن اقلیما کا ہاتھ
پکڑ کر عدن علاقہ یمن کو بھاگ گیا۔ وہاں اس سے ابلیس نے آکر کہا
ہابیل چونکہ آگ کو پوجتا تھا اسی لئے آگ نے اس کی قربانی کھا لی تو
بھی آگ (کے لئے آتشکدہ) قائم کر تاکہ آگ تیرے اور تیری نسل
کے لئے ہو جائے۔ قابیل نے حسب مشورہ آتشکدہ بنا دیا اور سب سے
پہلے اسی نے (قابیل نے) آگ کی پوجا کی۔ قابیل کی اولاد نے
آلات لہو بانسری، ڈھول، باجے، عود، طنبورے وغیرہ بنائے
اور لہو لعب، شراب خوری، زناکاری، عیاشی اور آتش پرستی
میں منہمک ہو گئے۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ
نے سب کو طوفان (طوفانِ نوح) بھیج کر غرقِ آب کر دیا۔ اور حضرت شیث
علیہ السلام کی نسل باقی رہ گئی۔

(اس کا بقیہ صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمادیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ

واضح رہے کہ عام بندگانِ خدا اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مقدس زندگیاں آغاز سے لیکر انجام تک اور ابتداء سے لیکر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے امتحانات اور آزمائشوں میں بسر ہوتی ہیں کیونکہ اُن کے اعمال جمہور خلائق کے لئے مشعلِ راہِ حقیقت اور موجبِ عبرت و بصیرت ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً عِندَ اللّٰہِ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" خدائی امتحانات اور ربانی آزمائشوں میں سب لوگوں سے بڑھ کر انبیاء کرام اور مرسلین عظام علیہم السلام اجمعین ہوتے ہیں۔ ان کے ایمانی مدارج اور دینی مراتب میں بتدریج ترقیاں ہوتی ہیں۔"

اسی طرح اپنے اپنے قرب و مقام کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں کی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے، اسی قرب و مقام کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر سیدنا حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سے امتحانات سے ممتاز بنایا ہے، کیونکہ عالم خلائق کے لئے فی الجملہ آپ کو امام اور پیشوا بنانا منظور تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانوں میں سے وہ امتحان بڑی اہمیت اور بڑی سعادت کا موجب ہے جس میں حق تعالیٰ اُن کو اپنے لختِ جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم دیتا ہے۔ جس کا منظر خود رب العزت سورہ صافات کی مندرجہ ذیل آیاتِ مبارکہ میں اپنی پوری اعجاز آفرینی کے ساتھ بیان کر رہا ہے۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی

فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی
قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ
اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ، فَلَمَّا اَسْلَمَا
وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ ، وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰاِبْرٰھِیْمُ
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا ، اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ ، اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ
وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ " (صافات)

ترجمہ :- اور ابراہیم (علیہ السلام) کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں ، وہ مجھ کو پہنچا ہی دے گا - اے رب ! مجھ کو نیک فرزند دے " تو ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی ، پھر جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم بھی سوچ لو ، تمہاری کیا رائے ہے ؟ وہ بولے : " ابا جان ! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے ، انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صبر

کرنے والوں میں سے پائیں گے۔" غرض جب دونوں نے تسلیم کر لیا۔ اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹایا اور ہم نے ان کو آواز دی کہ ابراہیم (علیہ السلام) تو نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا۔ ہم مخلصوں کو ایسا ہی صلہ اور بدلہ دیا کرتے ہیں ـــ حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان، اور ہم نے بڑا ذبیحہ اُن کے عوض میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ ہم مخلصوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔" (تھانوی)

واضح رہے کہ آیات بالا میں اکثر علماء کے نزدیک ذبیح سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہیں۔ یہ وہی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں پوری عاجزی کے ساتھ یہ دعا کی تھی:

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔" اور یہ ایسے وقت میں تولد ہوئے تھے کہ جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک ستاسی سال کی ہو چکی ہے۔ اس بوڑھے باپ کو اپنے نونہال بیٹے کی جو محبت

ہوگی اُس کا صحیح اندازہ آپ خود بھی لگا سکتے ہیں۔ غرض
حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب کا یہ واقعہ
آٹھویں ذی الحجہ کی رات کو پیش آیا۔ صبح اور دن بھر سوچتے
رہے کہ یہ خواب ارشادِ ربانی ہے یا کسی خیال اور کسی بات
کا نتیجہ ہے اسلئے آٹھویں تاریخ کی شام تک کوئی حتمی
فیصلہ نہ کر سکے۔ اس لئے آٹھویں ذی الحجہ کو "یوم الترویہ"
یعنی سوچ و بچار اور غور و فکر کا دن بھی کہتے ہیں ـــ
نویں ذی الحجہ کی شب میں پھر وہی خواب نظر آیا، جو روز
گزشتہ طبعی بے قراری اور ذہنی پراگندگی کا موجب بنا تھا
اب نویں ذی الحجہ کی صبح ہوئی اور اپنے خواب پر غور و فکر
کیا تو گزشتہ روز کے تمام شکوک و شبہات دور ہو
گئے اور یقین حاصل ہوا کہ ربانی الہام اور بڑے امتحان
کا پیش خیمہ ہے۔ اپنے لختِ جگر سیدنا حضرت اسمٰعیل
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی اور ان کے ذبح کا مطالبہ
ہے جو خندہ پیشانی اور انبساطِ قلبی سے پورا کرنا ہے
اس لئے نویں ذی الحجہ کو "عرفہ" یعنی یقین و معرفت
کا دن کہتے ہیں ـــ دسویں ذی الحجہ کی صبح کو جب آفتاب
عالمتاب سطحِ زمین مکہ کے ٹیلوں اور پہاڑوں نے شعاع فشی

کا اثر قبول کیا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام پورے قرار و ثبات سے اپنے فرزندِ دلبند سیّدنا حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیتے ہیں کہ چھری اور رسی لے آؤ، جنگل سے لکڑیاں لے آئیں۔ سعادت مند فرزند اپنے پدرِ بزرگوار سیّدنا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں باپ بیٹے دونوں ایک ساتھ جنگل پہنچ جاتے ہیں۔ مہربان باپ اپنے نورِ نظر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے خواب کا پورا واقعہ بیان فرماتے ہیں اور پھر اس بارے میں فرزندِ دلبند کی رائے اور اُن کا ضمیر دریافت فرما کر کہتے ہیں: "فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔" (یعنی) کہ تم بھی اپنی رائے بتاؤ کہ ربّانی حکم کی تعمیل کرتے ہو اور اللہ کی راہ میں ذبح ہونے کے لئے تیار ہو؟ "قربانی کا نام سُن کر گھبراؤ گے تو نہیں؟" حضرت اسمٰعیل علیہ الصّلوٰۃ والسلام اپنے والدِ بزرگوار سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے خواب کا بیان سُنتے ہی پوری متانت اور پختگی سے جواب اور اپنی رائے دیتے ہیں:

"یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" ابّا جان! خدا کا حکم پورا کیجئے، میں قربانی کے لئے حاضر ہوں اور کوئی شکوہ

شکایت اور کسی بے اطمینانی کا اظہار نہ کرواں گا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جواب سُننے ہی مسرور ہو کر فرماتے ہیں:

"فَنِعْمَ الْعَوْنُ اَنْتَ" کہ تم نیک کاموں میں بہترین مددگار ہو۔" اور وہ فوراً ان کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر لٹاتے ہیں: "بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکْبَرْ" حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نازک حلق مبارک پہ چھری چلادی چلدی چھری تاکہ چھری اپنا کام جلد کرسکے اور پروردگار عالم کا حکم بجالانے میں دیر نہ لگ جائے۔ ادھر گلستانِ نبوت کے باغبان نے باغیچۂ رسالت کے نازک حلق مبارک پہ چھری چلائی: ادھر عالم ملکوت میں ایک شور محشر بپا ہوا۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے موقعہ پر تشریف لاکر "اللّٰہُ اَکْبَرْ" کا پُرجوش نعرہ بلند کیا، ذبیحہ اللہ سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ السلام زبان پر پڑھتے رہے: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرْ" کی بُلند تاثیر آواز سے اس کا جواب دیتے، خلیل اللہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حوصلہ مند لخت جگر کی بیعت و دلیری دیکھ کر: "اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" سے اللہ پاک کی عظمت و شان کو بھی ظاہر کرتے رہے۔"

مختصر یہ کہ سیّد الحضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپ
نونہال فرزندِ ارجمند کے حلقِ مقدس پر جس قدر بھی چھر
تیز تیز پھیرتے ہیں، اسی قدر وہ عرش والے کے حکم سے بے
ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب یہ دیکھتے ہیں کہ چھ
اپنا کام نہیں کرتی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو گدی
رکھ کر "بسم اللہ اللہ اکبر" کی پُرزور آواز سے فضائے آسما
کو منوّر بناتے ہیں۔ ادھر عرش والے کی طرف آواز
آئی: "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا" یعنی اے ابراہیم
بس بس، تُو نے اپنا خواب پورا کر دکھایا۔ بس ہمارا منشا
اور مقصود امتحان و آزمائش کے سوا اور کچھ نہ تھا، تو
سچے دل سے ہماری فرماں برداری کی اور اطاعت گذار
کا پورا ثبوت دیا۔ اور نہایت تیزی کے ساتھ آسما
مخلوق کی وساطت سے ایک مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ
الصلوٰۃ والسلام کے سامنے قدرت کی طرف سے پیش
کیا جاتا ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے عوض
خلیل اللہ کے مبارک ہاتھوں سے ذبح ہوا ہے۔ واضح
کہ یہ وہی مینڈھا تھا جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے بیٹے ہابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ نے اسے قبولیت کی

شرف عطا فرمایا تھا۔ اور مینڈھا اس وقت تک جنّت کا آب و دانہ کھا کر خوب موٹا اور فربہ ہو گیا تھا۔ زہے سعادت کہ ایک مرتبہ وہ ہابیل کے ہاتھوں سے قربان کیا گیا اور بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوا، اور پھر دوسری دفعہ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے مقدس دستِ مبارکوں سے ذبح ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرماں بردار صابر فرزندِ ارجمند سیّدنا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا ہاتھ پکڑ کر پوری فرحت و مسرت کے ساتھ قربان گاہ سے واپس آتے ہیں۔

حضرات! یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت۔ قربانی کی اصلیت بندگانِ خدا کی فرماں برداری اور بیٹے کا پدر ناتہ فرماں برداری۔

بزرگو! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی، یہ کوئی افسانہ اور دکھاوا نہ تھا۔ بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کا امتحان و ابتلاء تھا جو اس کے نیک بندوں کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ یہ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی عزیز ترین متاع کی قربانی تھی جو صرف لِلّٰہ الواحد القہّار، تھی، یہ خدا تعالیٰ کی اطاعت، عبودیت اور

کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا۔ یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی پیشوائی اور امامت کی نعمت مل نہیں سکتی۔ یہ صرف باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین رنگین اور لالہ زار کرنا نہیں تھا بلکہ رب العالمین کے سامنے تمام پاک جذبات اور مقدس خواہشات اور لطیف آرزوؤں اور تمناؤں کی قربانی تھی۔

یاد رکھئے جانور کی ظاہری قربانی اندرونی نقش کا ظاہری عکس ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر رسالت مآب پیغمبر کریم سیدنا و مولانا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم نے استطاعت رکھنے والے امتیوں پر قربانی واجب قرار دی تاکہ ہر سال سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مقدس اور بے مثال قربانی کی یاد تازہ رہے اور اس ذریعہ خدا پرستی اور معرفت ربانی کا تازہ سبق ملتا رہے، اور سال بھر کا بھولا ہوا سبق پھر یاد آجائے۔

افسوس ہے کہ اس بہترین حکمت اور اصلیت اور ربانی حکم کے مقابلہ میں بعض بے حیائی اور بے شرمی سے کہا جاتا ہے کہ ہر سال قربانی سے کیا فائدہ ہے؟ اگر اس میں نصیحت و عبرت ہے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ قربانی کر سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال دنیا کی متمدن اور تہذیب یافتہ قومیں اپنے اپنے مذہبی یا سیاسی رہنماؤں کی پیدائش اور موت کے دن مناتی ہے اور اس دن ان کے کارنامے دھراتی ہیں تاکہ ہر سال قوم کو درس عبرت ملتا رہے۔ پس جب ان عمومی انسانوں کی موت و زیست کے دن منانے پر کوئی اعتراض نہیں تو شرعی قربانی پر جس میں بے شمار دینی حکمتیں ہیں کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ آخر یہ لوگ بھی تو اس قسم کے موقعوں پر کروڑہا روپیہ خرچ کرتے ہیں وہ بھی اس طرح ہے کہ اس سے کوئی اخلاقی تعمیر اور روحانی اقدار کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر قربانی پر آپ غور کریں گے کہ جہاں اس میں بے شمار مذہبی اور روحانی فوائد ہیں وہاں اس میں لاتعداد اہمیت بھی موجود ہے۔ بھیڑ بکریاں پالنے والے لوگوں کی اہمیت ہوتی ہے قربانی کی کھالوں سے مسلمانوں کے مدارس، ملی اور قومی کاموں کو مدد ملتی ہے۔ اسی طرح قربانی کی کھالوں اور چمڑوں سے بہت سی صنعتی چیزوں میں ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قربانی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انقلابی زندگی یاد آتی ہے۔ اللہ کی عظمت کا اثر دل پر پڑتا ہے

قربانی حقیقی ہو، ریاکاری سے، دکھاوے اور شہرت کے لئے نہ ہو۔ لہٰذا جس وقت ہم قربانی کریں گے، تو ہمیں پہلے اپنے دلوں میں وہی سچا جذبۂ توحید اور خدائی حکم کی اطاعت و فرماں برداری کا پورا تصوّر کرنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ اگر ہم کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنی اولاد کو قربانی کرنے کا خدائی حکم ہوتا تو ہمیں تسلیم و رضا اور اطاعت و فرماں برداری کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا، مگر اس حکیم مطلق پروردگار نے اس کے عوض ہم کو ایک جانور کی قربانی کرنے کا حکم فرمایا ہے تو اس میں کتنی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب؟

- سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیوں کسی حلال جانور کی قربانی کا حکم نہیں ملا اور صرف اپنے جگر پارۂ فرزند ارجمند کی قربانی کا حکم ملا اس میں کیا حکمت ہے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے!

- اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی مقرب بندہ اس کے بغیر کسی اور سے زیادہ محبت و پیار کرے۔ چونکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اُس فرزند کی بہت محبت تھی جس کی قربانی کا حکم اُن کو دیا گیا تھا۔ اس لئے غیر خدا کی محبت اُن کے قلب مبارک سے نکالنے کے لئے اُن کو فرزند ہی کی قربانی کا حکم ہوا ــــ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے فرزند حضرت یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت زیادہ محبت تھی، اس لئے حضرت یوسف صدیقؑ اُن سے چالیس سال تک جُدا کیے گئے اور حضرت یعقوبؑ صدمۂ فراق اتنی لمبی مدت تک برداشت کرتے رہے ــــ حضرت رسول رحمت، شافع روزِ جزا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی بہت زیادہ محبت تھی، تو جبرئیل امین علیہ السلام نے آکر خبر دی ان میں سے ایک صاحب (حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو زہر دیا جائے گا اور دوسرے صاحب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا کے میدان میں شہید کئے جائینگے۔ غرض محبوب حقیقی صرف اللہ جل شانہ ہے اور پیغمبران اور دوستانِ خدا کی محبت صرف اللہ کی رضا کیلئے ہے اور سچی محبت اللہ تک پہنچاتی ہے

(دیکھو مزید تحقیق... "غنیۃ الطالبین" از حضرت شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــ... انتہیٰ)

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ [illegible] قربانی کا
واقعہ عشرۂ ذی الحجہ میں پیش آیا، اس لئے نہایت مناسب
ہوگا کہ عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل بھی اسی جگہ قلمبند کئے
جائیں ——— ملاحظہ ہو:—

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت کا بیان

"عَنْ ابنِ عباسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مَا مِنْ
اَیَّامٍ العملُ الصَّالحُ فیہ اَحبُّ الی اللّٰہِ مِنْ
هٰذِہِ الاَیَّامِ العشرۃِ فقالَ قائلٌ وَلَا الجِھادُ
فی سبیلِ اللّٰہِ قالَ وَلَا الجِھادُ فی سبیلِ اللّٰہِ
اِلَّا رجلٌ خرجَ بنفسِہٖ وَمالِہٖ فلم یرجع
بِذٰلکَ مِنْ شییٍٔ" (ترمذی شریف)

ترجمہ:— حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ عشرۂ ذی الحجہ

سے بڑھکر کوئی ایسا دن نہیں ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو عمل صالح زیادہ پسند اور محبوب ہو، یعنی عشرۂ ذی الحجہ میں نیک کام اور اعمالِ صالح کرنا سال بھر کے باقی دنوں سے خدا تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ باقی دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا بھی ان دنوں کی نیکی کے برابر نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: باقی دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ بھی عشرۂ ذی الحجہ کے نیک عمل کے برابر نہیں ہو سکتا، مگر وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا تو وہ میدانِ جہاد میں کام آیا۔"

۱۔ محدثین کرام کو اس حدیثِ مبارک پر اشکال ہوا ہے کہ یہ روایت اُن روایات کے برخلاف اور متضاد ہے جن میں رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کو سال بھر کے باقی دنوں پر فضیلت اور فوقیت دی گئی ہے۔ علمائے فن نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ زیر بحث روایت میں ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کو سال بھر کے دنوں پر فضیلت دی گئی ہے اور جن روایتوں میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عشرۂ رمضان کی آخری دس راتیں سال بھر کی باقی راتوں سے بہتر اور افضل ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک

کی آخری دس راتوں کی فضیلت شبِ قدر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور ذی الحجہ کے دس دنوں کی فضیلت عرفہ کے دن کی وجہ سے آئی ہے۔ (عرف الشذی علی جامع الترمذی)

۲۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ، ذی الحجہ کے ابتدائی ۹ دنوں میں سے ہر دن کے روزہ کو سال بھر کے روزوں کا کا ثواب ہے اور عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے۔

۳۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جنت میں ایک بالاخانہ ہے جس کے اندر سے اس کا بیرونی حصہ اور باہر سے اس کا اندرونی حصہ نظر آئیگا اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ گھر کس کے لئے ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: "عرفہ کے دن روزہ رکھنے والوں کے لئے۔

۴۔ سب سے بڑی بات یہ کہ عشرۂ ذی الحجہ میں دنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ سے نیکوکاروں اور سعادت مند لوگوں کی ایک جماعت بیت العتیق (خانۂ کعبہ) کے اردگرد احرام باندھے ہوئے ربّانی دربار میں:

لبیک اللّٰھم لبیک" کی سوز و گداز سے بھری ہوئی آواز بلند کرتی ہے اور یہ مسلمان عشق و محبت کا پورا ثبوت رب کعبہ کے دربار میں دے رہے ہیں۔

ہائے بدقسمتی! اگر ہم اپنی مجبوریوں یا غفلت یا سستی کی وجہ سے اس مقدس دربار میں پہنچ کر حجاج کرام کی قطار میں نہ پہنچ سکے، تو کم از کم ان ایام متبرک میں اپنے تقویٰ و طہارت، صوم و صلوٰۃ، تکبیرات تشریق قربانی اور دوسرے اعمال صالحہ کے ذریعہ حجاج کرام کی ہمنوائی کر لیں۔ اس لئے عرفہ کی صبح سے لے کر تیرہویں (۱۳) ذی الحجہ کی عصر نماز تک ہر فرض نماز کے بعد اس طرح پورے جوش و خروش سے تکبیرات پڑھے۔

"اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔"

اور اپنے بہترین عمل اور حسن کردار سے یہود و نصاریٰ اور باقی اقوام عالم کو آگاہ کیجیے اور جس امت مسلمہ کے لئے پورے خلوص سے حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ذبیح اللہ سیدنا اسمٰعیل

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعائیں مانگی تھیں، وہ ہم مانگیں اور بس۔ اور یہ دعویٰ اسی صورت میں سچا ہوگا جب کہ ہمارا عمل ان کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو، اور صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں۔

"عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُکُمْ اَنْ یُّضَحِّیَ فَلَا یَمَسَّ مِنْ شَعْرِہٖ وَبَشَرِہٖ شَیْئًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَلَا یَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا یَقْلِمَنَّ ظُفْرًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ رَأٰی هِلَالَ ذِی الْحِجَّۃِ وَاَرَادَ اَنْ یُّضَحِّیَ فَلَا یَاْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِہٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِہٖ۔" (رواہ مسلم)

ماحصل ترجمہ:۔ "اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کہ جب ذی الحجہ کے ابتدائی دس

دن شروع ہو جائیں گے تو اگر تم میں سے کسی کو قربانی کرنے
ارادہ ہو تو وہ ہلال دیکھنے کے بعد اپنے بدن کے بالوں
کو قینچی یا استرے کے ساتھ ہاتھ نہ لگائے اور اپنے ناخن
بھی نہ لے، یہاں تک کہ وہ قربانی کرے۔ اس لئے ذی الحجہ
کا ہلال دیکھتے ہی حجامت اور اس کے لوازم چھوڑ دینے چاہئیں
یہاں تک کہ وہ قربانی کرے۔"

لہٰذا اب آپ احادیث شریفہ کی روشنی میں قربانی کا
اجر و ثواب بھی ملاحظہ فرمادیں (دیکھئے ص ۴۲)

قربانی کا اجر و ثواب

قربانی کا بڑا ثواب ہے۔ حضرت شافع محشر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ان دنوں میں یہ نیک کام (قربانی) سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی یعنی ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے وہ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خوب خوشی اور دل کھول کر قربانی کیا کرو۔

جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں، ہر ہر بال کے بدلے ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔"

سبحان اللہ! بھلا سوچو کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں اور لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ان کو گننا کس قدر محال ہے۔ پس سوچو کہ کتنی نیکیاں ہوئیں۔ بڑی دینداری کی بات ہے کہ اگر کسی پر

قربانی کرنا واجب نہ ہو، تب بھی اتنے بے حساب ثواب کے لالچ سے قربانی کر دینا چاہیئے کہ جب قربانی کے یہ دن چلے جائیں گے تو یہ دولت کہاں سے نصیب ہوگی اور اتنی آسانی سے اتنی نیکیاں کیسے حاصل ہوں گی اور اگر مالدار ہو تو مناسب ہے کہ اپنی اور اپنے مرحوم رشتہ داروں جیسے ماں، باپ وغیرہ کی طرف سے قربانی کر دے تاکہ ان کی روح کو اتنا بڑا ثواب پہنچ جائے۔ مالدار ہو کر اللہ کی رضا کے لئے قربانی نہ کرنا سب سے بڑی بدنصیبی کی علامت ہے۔

چنانچہ "ابواب الاضاحی" جامع ترمذی شریف میں روایت ہے:

"عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَانَ یُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ اَحَدُھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِہٖ ..... اِلٰی آخِرِ الْحَدِیْث"

ترجمہ:- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ (یعنی خود حضرت علی مرتضیٰ رض) دو مینڈھے قربان کرتے تھے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے۔ دریافت کرنے پر فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کا حکم فرمایا ہے" (مزید مطالعہ کے لئے جامع ترمذی شریف صفحہ ۱۸۱ ملاحظہ ہو۔)

جب قربانی کا جانور قبلہ رخ لٹا دیا جائے تو سب سے پہلے یہ دعا پڑھے:

"إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ"

پھر "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"

تنبیہ!

قربانی میں افراط وتفریط بُری رسمیں

(جو عام لوگوں نے اپنی طرف سے پیدا کیں)

اب تک تو معلوم ہوا کہ قربانی اللہ تعالیٰ سے نزدیکی اور رضامندی حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے پر اسی وقت قبول ہوگی اور اللہ سے اس کا تقرب و نزدیکی اسی وقت ممکن ہوگی جب کہ یہ محض خداوند لاشریک ہی کے لئے ہو۔ اس لئے علماء اسلام نے لکھا ہے کہ قربانی کے تین حصے کیے جائیں۔

- ایک حصہ رشتہ داروں کے لئے۔
- دوسرا حصہ مسکینوں اور محتاجوں کے لئے
- تیسرا حصہ اپنے گھر والوں کے لئے

مگر افسوس ہے کہ بہت سے قربانی کرنے والے پہلے ہی سے اس طرح کرتے ہیں: کہ ایک "ران" ہو گئی فلانی لیڈر یا فلانی مولوی صاحب کے لئے، دوسری "ران" ہو گئی لڑکی کے سسرال کے لئے؛ تیسری ہو گئی فلانی صاحب کے لئے اور

چوتھی "ران" ہوئی گھر والی کے ہمیں کے لئے۔ باقی جو کچھ از قسم اوجھڑی وغیرہ تھوڑا بہت بچ جائے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے۔

بھلا آپ ہی بتائیے ایسی قربانی کو حقیقی قربانی سے کیا واسطہ؟ اور کیا ایسی قربانی بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگی؟ ہرگز نہیں! ایسی قربانی، قربانی کرنے والے کے منہ پر واپس پھینکی جاتی ہے۔

حضرات! قربانی اس طرح فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بزبانِ قدرت فرمائیں گے کہ اس بندے واقعی میری رضامندی کے لئے قربانی کی ہے۔ قربانی کیجیئے تو اس طرح کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی حاصل ہو جائے قربانی وہ ہے جو خالص پیارے ربّ کائنات کی خوشنودی کے لئے ہو۔ قربانی کرتے وقت اپنے آس پاس ناتوانوں بیواؤں کا خاص خیال رکھئے۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی قبول فرمائیں گے۔

اسی طرح کچھ لوگ قربانی کا جانور وزن کر کے خریدتے ہیں یہ بھی جائز نہیں ہے اور کچھ قیمت بچانے کے لئے دبلے پتلے جانور خریدتے ہیں ان کی قربانی بھی منظورِ الٰہی نہیں

ہوتی۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر رحمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَحْسِنُوْا ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّھَا مَطَایَاکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔" (غنیۃ الطالبین ص۶۵)

"قربانی کے جانوروں کو خوب موٹے تازے بنایا کرو یہ قیامت کے دن تمہاری سواریاں ہوں گی۔"

اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ آپ رضؓ آیت مبارکہ:

"یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا"

کی تفسیر یوں فرماتے تھے کہ وفد سواریوں پر ہوتے ہیں اور ایمان والوں کی سواریاں اُن کی قربانیاں ہوں گی لہٰذا اس تفسیر کو نہ بھولئے، صرف اللہ تعالٰی کا اس میں خیال رکھیں۔

قربانی سے متعلق

اہم مسائل اور اُن کے بیانات

۱۔ جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہو اُس پر بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہوگا۔ اگر اتنا مال نہ ہو کہ صدقۂ فطر واجب ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ پھر بھی اگر قربانی کرے تو بڑا ثواب پائے گا۔

۲۔ مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں۔

۳۔ بقرعید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ قربانی کرنے کا بہتر دن بقرعید کا دن ہے، پھر گیارہویں تاریخ اور بارہویں تاریخ۔

۴۔ بقرعید کی نماز ادا کرنے سے پہلے شہر اور قصبہ میں قربانی کرنا درست نہیں، بلکہ نماز کے بعد کرنا چاہیے البتہ دیہات یا گاؤں میں فجر کی نماز کے بعد قربانی کرنا درست ہے۔

۵۔ اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے تو اس کی قربانی نماز سے پہلے بھی درست ہے۔ اگرچہ وہ خود شہر ہی میں مقیم ہو۔ اگر قربانی شہر میں بھیجدی تو نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہوگا۔ ذبح کرنے کے بعد اس کو منگالے اور گوشت کھائے۔

۶۔ ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے۔ سورج ڈوب کر قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

۷۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے بارہویں تاریخ تک دن میں اور رات میں بھی قربانی کر سکتا ہے لیکن رات میں ذبح کرنا بہتر نہیں ہے، کیونکہ قربانی کے جانور کی رگ کٹ جانے کا اندیشہ ہے جس سے قربانی درست نہیں ہوگی۔

۸۔ اگر کوئی شخص دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کو سفر میں تھا، پھر بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے یا پندرہ دن کہیں اور ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اب قربانی کرنا واجب

ہو گیا۔ اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا کہ جس پر قربانی واجب ہو سکتی ہے، پھر ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا ہو تو قربانی کرنا واجب ہے۔

۹۔ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو، تو کسی اور (ماہر) سے ذبح کروا لے۔ ذبح کرتے وقت جانور کے سامنے کھڑا رہنا بہتر ہے، پردہ داری کے پیشِ نظر کھڑا رہنا ضروری نہیں ہے۔

۱۰۔ قربانی کے وقت زبان سے نیت اور دعا پڑھنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی دل میں خیال کر لیا کرے کہ میں اپنے پروردگار کی رضا کے لئے قربانی کرتا ہوں اور صرف "بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہہ کر ذبح کر دیا تو قربانی درست ہو گی۔ لیکن اگر یاد ہو تو وہ دعا پڑھنا جو اسی رسالہ میں بیان ہوئی ہے۔

۱۱۔ قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہے نہ اپنے

مال میں سے نہ اس نے مال میں سے۔ اگر کسی نے اس کی طرف
سے قربانی کر دی تو وہ نفل ہو گی، لیکن اپنے ہی مال
سے اس کے مال سے ہرگز نہ کرے۔

۱۲- گائے، بیل، اونٹ، اونٹنی، بھینس
بکرا، بھیڑ، دنبہ
اور بھینسا کو قربان کرنا درست ہے۔

۱۳- گائے، بھینس اور اونٹ میں اگر سات آدمی شریک
ہوں تو درست ہے بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں
حصے سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے یا
عقیقہ کرنے کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ
ہو۔ اگر کسی شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو
تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی، نہ اس کی جس کا حصہ
ساتویں حصے سے کم ہو، اور نہ ان سب کی جن کا برابر ساتواں
حصہ ہے۔

۱۴- اگر کسی غریب آدمی کی قربانی کا جانور کھو گیا یا گم ہو گیا
ہو اور اس نے دوسرا جانور خریدا۔ پھر وہ گم شدہ
جانور بھی مل گیا، تو اس شخص پر دونوں جانوروں
کی قربانی واجب ہو گی۔ اگر امیر آدمی ہو تو اس پر ایک
ہی جانور کی قربانی واجب ہو گی۔

۱۵۔ سال بھر سے کم عمر کی بکری کی قربانی درست نہیں ہے، دو برس سے کم عمر کی گائے یا بھینس کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح قربانی کا اونٹ پانچ برس سے کم عمر کا درست نہیں۔

اگر چھ ماہ کا دُنبہ یا بھیڑ اتنا موٹا اور تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے دُنبوں اور اس میں کچھ فرق نہ معلوم ہوتا ہو، تو اس صورت میں اس کی قربانی درست ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو قربانی درست نہیں ہے بلکہ پورے ایک سال کا ہونا چاہئے۔

۱۶۔ جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو۔ یا ایک کان کی تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو۔ یا دُم کی تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو، تو اس قسم کے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

۱۷۔ جو جانور اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں زمین پر رکھا نہیں جاتا۔ یا چوتھا پاؤں تو رکھتا ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا۔ ایسے جانور

کی قربانی درست نہیں ہے۔ اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہو اور چلنے میں اسے سہارا لگتا ہو، لیکن لنگڑے چلتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

۱۸۔ اتنا دبلا پتلا جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔ اگر معمولی دبلا ہو اس سے قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی قربانی درست ہے۔ لیکن تندرست اور موٹے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۱۹۔ جس جانور کے دانت گر گئے ہوں، لیکن جتنے گر گئے ہوں ان سے زیادہ باقی ہوں تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

۲۰۔ پیدائش سے ہی جس جانور کے کان نہ ہوں تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔ اگر کان ہوں مگر چھوٹے چھوٹے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۲۱۔ جس جانور کی پیدائش سے ہی سینگ نہ ہوں، یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے ہوں اس جانور کی قربانی درست ہے۔ ہاں اگر سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو اس

جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

۲۲۔ خصی یعنی بدھیا بکرے اور مینڈھے کی قربانی، اور خارش والے جانور کی قربانی درست ہے۔ ہاں! البتہ اگر خارش کی وجہ سے جانور بالکل ہی لاغر ہو گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

۲۳۔ اگر قربانی کے لئے کسی شخص نے جانور خرید لیا ہو، پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا ہو جس سے قربانی درست نہیں ہوگی، تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر قربان کرے۔ غریب آدمی کے لئے وہی جانور قربان کرنا درست ہے۔

۲۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھائے، رشتہ داروں کو بھی دے دے، اور فقیروں اور مسکینوں میں بھی خیرات کرے۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم تیسرا حصہ خیرات کرے خیرات میں تہائی حصہ سے کم نہ کرے۔ اگر کسی تہائی حصہ سے کم گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

۲۵۔ کھال کی قیمت مسجد کی مرمت میں لگانا درست نہیں ہے۔ خیرات ہی کرنا چاہئے۔

۲۶۔ کسی شخص پر قربانی واجب تھی، لیکن قربانی کے

تینوں دن گذر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی تو ایک بھیڑ یا بکرے ہی کو خیرات کرے، اور اگر جانور خرید لیا تھا تو بعینہ وہی جانور خیرات کرے۔

۲۷۔ جس شخص نے کسی کام کے لئے قربانی کرنے کی منت مانی ہو اور وہ کام پورا ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی چاہے مالدار ہو یا نہ ہو اور ایسی قربانی کا سارا گوشت فقیروں کو خیرات کرے، نہ خود کھائے نہ امیروں کو دے۔ جتنا خود کھایا ہو یا امیروں کو دیا ہو اتنا ہی پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

۲۸۔ اپنی مرضی سے کسی میت کو ثواب پہنچانے کیلئے قربانی کرے تو اسکے گوشت پوست سے خود کھانا دوسروں کو کھلانا اور بانٹنا سب اسی طرح درست ہے جس طرح عید کی قربانی کا حکم ہے۔

۲۹۔ اگر کوئی میت اپنی زندگی میں وصیت کر گیا تھا کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کی جائے، پھر جیسا اس مال سے قربانی کی گئی۔ تو اس قربانی کے تمام گوشت کو خیرات کرنا واجب ہے۔

۳۰۔ اگر کسی شخص نے دوسرے غیر موجود شخص کی طرف سے اس کے امر کے بغیر قربانی کر دی تو یہ قربانی درست نہیں ہے۔

۳۱۔ اگر کسی جانور میں کسی غائب شخص کا حصّہ اس کے حکم کے بغیر دوسرے آدمی نے تجویز کیا ہو تو اور حصّہ داروں کی قربانی درست نہیں ہوگی۔

۳۲۔ اگر کسی شخص نے کوئی جانور کسی اور شخص کو حصّہ پر دیا ہے تو یہ جانور اس پرورش کرنیوالے کی ملکیت نہیں بن سکتا بلکہ اصل مالک کا ہے اس لیے اگر اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کردی تو قربانی نہیں ہوئی۔ اگر یہ جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصّہ پر دیا ہو خرید لیں۔

۳۳۔ اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب گوشت کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ یکجا ہی فقراء و احباب میں تقسیم کرنا یا پکا کر کھانا کھلانا چاہیں تو بھی جائز ہے۔ اگر تقسیم کرینگے تو اس میں برابری ضروری ہے۔

۳۴۔ قربانی کی کھال کی قیمت کسی کو اُجرت میں دینا جائز نہیں بلکہ اس کا خیرات کرنا ضروری ہے۔

۳۵۔ قربانی کا گوشت کافر کو بھی دینا جائز ہے بشرطیکہ اُجرت میں نہ دیا جائے۔

۳۶۔ اگر کوئی جانور گابھن ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ پھر اگر بچہ زندہ ہی نکلے تو اس کو بھی ذبح کردینا چاہیے۔

نوٹ :-

ہمارے ملک اور دیگر ممالک کے بہت سے علماء کا فتویٰ یہی ہے کہ اگر بھیڑ فربہ اور موٹا اور تازہ ہو، تو وہ چھ ماہ کا بھی کافی ہے ___ جیسا کہ ہم نے اسی رسالہ میں لکھا ہے[1] ___ لیکن علامہ لکھنوی[2] اور دیگر فقہاء جیسے شامی[3] وغیرہم کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے : کہ چھ ماہ کا بھیڑ قربانی کے لئے کافی نہیں ہے، صرف چھ ماہ کا دُنبہ ہی قربانی کے لئے کافی ہو سکتا ہے[4] ۔

---

[1] : اسی کے مطابق ہمارے یہاں فتویٰ دیا جاتا ہے ۔

[2] : ملاحظہ ہو فتویٰ از مولانا عبدالحق لکھنوی ۔

عید نماز کا طریقہ
اور اس کے خاص احکام

عید نماز واجب ہے، نماز عید کے لئے اذان اور تکبیر نہیں ہے نیت اسطرح کرلینی چاہیئے کہ "میں نماز عیدالاضحیٰ کی دو رکعت مع چھ زائد تکبیروں کے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ پھر "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ... الخ پڑھکر تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہے اور ہر مرتبہ تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور آویزاں چھوڑ دے مگر تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ آویزاں نہ چھوڑے بلکہ معمول کے مطابق ناف کے نیچے اپنے ہاتھ باندھ لے۔ اس کے بعد امام صاحب "اعوذ باللہ... الخ اور بسم اللہ... الخ پڑھکر سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے، مقتدی حسب معمول خاموش رہے اور رکوع و سجود پورے خشوع و عاجزی کے ساتھ بجالائے۔ دوسری رکعت میں امام صاحب معمول کے مطابق سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت آواز سے پڑھ لے۔ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اسی طرح تین زائد تکبیرات کہے جس طرح پہلی رکعت میں کہے ہیں مگر اس وقت تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ

چھوڑے رکھے۔ چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع اور دو سجدے کرے اور باقی نماز حسب قواعدِ شرعیہ پوری کرلے نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام صاحب کا خطبۂ مسنونہ سُن لینا چاہیئے۔

نمازِ عید کے چند اہم مسائل!

عید کا خطبہ سُننا واجب ہے۔ معزز مسلمان بھائی اس میں غفلت سے کام لیتے ہیں، کہ ابھی امام صاحب خطبہ ہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ مقتدی حضرات امام صاحب کو ممبر پر چھوڑ کر خود آپس کی باتوں میں لگتے ہیں۔ مصافحہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو عید مبارک دیتے ہیں۔ درمیانی خطبہ میں ہم جو قسم کی چیز بیانا جائز ہے بلکہ پورے اطمینان اور متانت کے ساتھ امام صاحب کا خطبۂ عید سُن لینا چاہیئے۔ خطبہ سے فراغت کے بعد تکبیرات کہتے ہوئے اپنا گھر واپس آنا چاہیئے۔

تکبیرات باآوازِ بلند کہنی چاہیئے:

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْد

(مسائل) ۱. ● ۔ نمازِ عید تنہا پڑھنا جائز نہیں۔

۲. ● ۔ عید نماز صرف ان مقامات پر پڑھی جا سکتی ہے، جہاں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو۔

۳. ● ۔ اگر کسی شخص نے امام صاحب کے ساتھ صرف ایک رکعت پائی تو وہ جب فوت شدہ رکعت ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو پہلے قرأت پڑھے، پھر تکبیرات زوائد کہے۔

۴. ● ۔ اگر کوئی شخص نماز عید میں ایسے وقت میں شریک ہوا کہ امام صاحب تکبیراتِ زوائد سے فارغ ہو چکا ہو تو فوراً نیت باندھ کر تکبیرات کہے اور اگر رکوع میں اس کی شرکت ہوئی تو تکبیروں کی ادائیگی کے بعد رکوع میں جائے گا اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ جتنی دیر میں تکبیراتِ زوائد کہوں تو اتنے میں امام صاحب رکوع سے اُٹھ جائیں گے تو ایسی صورت میں پہلے رکوع کر لینا چاہیے اور رکوع کی تسبیح کے بعد ہاتھوں کو اُٹھائے بغیر زائد تکبیرات پڑھ لے اور اگر تکبیروں سے فراغت نہ ملی ہو، کہ امام صاحب نے رکوع سے سر اُٹھایا تو یہ بھی کھڑا ہو جائے اور اس صورت میں جس قدر تکبیریں رہ گئیں وہ سب معاف ہیں۔

۵. ● ۔ عید نماز فرض نہیں بلکہ واجب ہے لہٰذا عید نماز

کے بعد علی الصحیح تکبیرات تشریق نہیں ہیں۔ تکبیرات تشریق ۲۳ فرض نمازوں کے بعد ہیں یعنی ۹ رذی الحجہ عرفہ کی نمازِ فجر کے بعد سے ۱۳ رذی الحجہ کی نمازِ عصر تک واجب ہیں۔

۶. ● تکبیرات تشریق یہ ہیں:۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

۷. ● افضل اور بہتر یہ ہے کہ تکبیرات پہلے امام صاحب شروع کریں، تب مقتدی صاحبان۔

۸. ● عیدگاہ سے لوٹتے وقت راستہ بدلنا مسنون ہے۔

"وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔" (آمین)

قصّہ

(بقیہ... ہابیل و قابیل.... صفحہ ۲۳ سے آگے)

مطلب بن عبد اللہ بن حنظب کا بیان ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو زمین میں لرزہ آگیا پھر پانی کی طرح مقتول کا خون زمین نے پی لیا (اس طرح زمین پر خون کا کوئی نشان نہیں رہا) اور اللہ نے قابیل کو

ندا کی: کہ تیرا بھائی کہاں ہے؟" قابیل نے کہا: مجھے معلوم نہیں!
میں اس کا نگران نہیں تھا۔" اللہ نے فرمایا: "تیرے بھائی کا
خون مجھے زمین سے پکار رہا ہے، تُو نے کس وجہ سے اپنے
بھائی کو قتل کیا؟" قابیل نے کہا: "اگر میں نے اس کو قتل کیا
ہے تو اس کا خون کہاں ہے" (اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا)
اسی دن سے اللہ نے خون کو زمین میں جذب ہونے کی ممانعت
کر دی۔

روایت میں آیا ہے کہ قتل کے بعد قابیل کا بدن کالا پڑ گیا۔ حضرت
آدمؑ نے قابیل سے بھائی کے متعلق دریافت کیا تو قابیل نے کہا!
میں اس کا ذمہ دار نہ تھا۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ تو نے
اس کو قتل کیا ہے اسی وجہ سے تیرا بدن کالا ہو گیا۔ حضرت آدمؑ قابیل سے
بیزار ہو گئے اور اس کے بعد سو برس تک کبھی نہیں ہنسے۔

شائع کردہ
مکتبہ اسلامیہ حنفیہ
گنڈر پورہ عیدگاہ سرینگر کشمیر
ماہ ذی الحجہ ١٤٠٨ھ

جناب الحاج مولانا بخاری صاحب کی چند دوسری تصانیف

- حالات طیبات حضرت امیر کبیرؒ
- حالات طیبات حضرت شیخ نورؒ (حصہ اول، اسکے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں)
- تذکرہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ (تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں)
- فضائل عشرہ ذی الحجہ
- انسانیت الحج (دو ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں)
- آسان دینیات (حصہ اول، دوم اور سوم)
- بصیرت السلوک ترجمہ شرح و استخراج احادیث ذخیرۃ الملوک (حضرت امیر کبیرؒ)
- بصیرت السلوک شرح ذخیرۃ الملوک (باب دوم)
- بصیرت السلوک حصہ اخلاق شرح ذخیرۃ الملوک (باب چہارم پنجم)
- مسائل عید الاضحیٰ
- شفاء البشر (حصہ اول)
- تاج العارفین (جلد اول)
- بصیرت السلوک ترجمہ و شرح ذخیرۃ الملوک (حصہ چہارم زیر تالیف)
- ترجمہ و تفسیر سورۃ طٰہٰ
- سورۃ کہف، ترجمہ بزبان کشمیری و تفسیر بزبان اردو
- سیرت حضرت امام اعظمؒ (حصہ اول)

- فتاویٰ بخاری
- شفیع المذنبینؐ (زیرِ طباعت)
- سیرتِ مقدسہ حضرت غوث اعظمؓ
- تعلیمات قادریہ
- اقوالِ الصادقین (ترجمہ منہاج العارفین مصنفہ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ)
- الارشادات النبویہؐ (حصہ اول)
- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوطِ مبارکہ شاہانِ عالم کے نام
- تریاقِ اکبر ترجمہ و مختصر تشریح کبریت احمر
- التذویر بذکر الامیر الکبیر
- تاج العارفین (جلد دوم "زیر کتابت")
- فضائل درود و سلام (حصہ اول)
- المقالۃ النابغہ عربی (فی حالات الامام ابی حنیفہؒ)
- مختصر حالاتِ طیبات حضرت محبوب العالمؒ
- مخلصین کی قربانی

وغیرہ وغیرہ....

شائع کردہ

المکتبۃ الاسلامیۃ الحنفیۃ
عیدگاہ سرینگر کشمیر

شائع کردہ

مکتبہ اسلامیہ حنفیہ گنڈپورہ عیدگاہ سرینگر